© rasailojaraid.com

قیامت کے دن کے پانچ اہم سوالات

مدرس: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ :((لَا تَزُوْلُ قَدَمُ ابْنِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ حَتّٰی یُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ :عَنْ عُمُرِهٖ فِیْمَ اَفْنَاهُ، وَعَنْ شَبَابِهٖ فِیْمَ اَبْلَاهُ ، وَمَالِهٖ مِنْ اَیْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِیْمَ اَنْفَقَهٗ ، وَمَاذَا عَمِلَ فِیْمَا عَلِمَ)) (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’قیامت کے دن بارگاہِ خداوندی میں پیشی کے وقت آدمی کے پاؤں اپنی جگہ سے سرک نہ سکیں گے جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں پوچھ گچھ نہ کرلی جائے: (۱) اس کی پوری زندگی کے بارے میں کہ کن کاموں اور مشغلوں میں اس کو ختم کیا؟ (۲) اس کی جوانی کے بارے میں کہ کن مشغلوں میں بوسیدہ اور پرانا کیا؟ (۳) مال و دولت کے بارے میں کہ کہاں سے کن طریقوں اور راستوں سے) حاصل کیا؟ (۴) پھر اس مال کو کہاں (کن کاموں اور کن راہوں میں) خرچ کیا؟ اور (۵) علم کے بارے میں کہ اس پر کتنا عمل کیا؟‘‘

اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ ہیں جو سابقین الاولین صحابہ کرامؓ میں سے ہیں۔ یہ مکہ کے ادنیٰ طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ لہٰذا جب انیّس بیس برس کی عمر میں انہوں نے اسلام قبول کیا تو کفارِ مکہ کی طرف سے انہیں شدید سختیاں برداشت کرنا پڑیں۔ یہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد مکہ میں اعلانیہ قرآن مجید کی تلاوت کی۔ جنگ بدر میں ابوجہل زخمی ہوکر گرا ہوا تھا تو یہ اس کا سر کاٹ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے تھے— آپؓ محدث اور مفسر کے طور پر مشہور تھے۔ لوگ آپؓ سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔ آپؓ حدیث بیان کرنے میں بہت محتاط تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کے حضور پیشی کے وقت آدمی کو اپنی جگہ سے ہلنے نہ دیا جائے گا جب تک کہ اس سے پانچ باتیں نہ پوچھ لی جائیں گی۔ پہلی بات یہ پوچھی جائے گی کہ اس نے پوری عمر کن کاموں میں ختم کی؟ پھر خاص طور پر اس کی جوانی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اس نے جوانی کے ایام کن مشاغل میں گزارے؟ تیسرا اور چوتھا سوال مال کے بارے میں ہوگا کہ مال کہاں سے اور کن طریقوں سے حاصل کیا اور پھر کن کاموں میں خرچ کیا؟ آخری سوال یہ ہوگا کہ جو کچھ معلوم تھا اس پر کتنا عمل کیا!

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب صفة القیامة والرقائق والورع، باب ما جاء فی شأن الحساب القصاص۔ قال ابو عیسٰی ھذا حدیث غریب۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موت انسان کے مر مٹنے کا نام نہیں' بلکہ موت کے ذریعے انسان دارالعمل سے دارالجزاء میں منتقل ہو جاتا ہے۔ دارالجزاء کی زندگی کے دو مرحلے ہیں: پہلا مرحلہ عَالَمِ بَرزخ ہے جبکہ دوسرا دور اس دن سے شروع ہو گا جس دن تمام انسان موت کا ذائقہ چکھنے کے بعد زندہ کیے جائیں گے۔ اس دن ان سے دنیا کی زندگی میں کیے گئے اعمال کے بارے میں باز پرس ہوگی اور اس کے نتیجہ میں ہر انسان جزا وسزا کا مستحق ٹھہرے گا۔ قیامت قائم ہونے کی خبر قرآن مجید میں بارہا دی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ وہ دن بڑا سخت اور ہولناک ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر اس دن کے حالات وواقعات کا ذکر اپنی اُمت سے فرمایا ہے تاکہ آدمی جان لے کہ کس قسم کے اعمال اسے نقصان دیں گے اور کس طرح کے اعمال سے اسے ابدی راحت ملے گی۔

اس حدیث کے ذریعے ہمیں بتا دیا گیا کہ یہ زندگی کیسے گزاری جائے تاکہ قیامت کے روز کامیابی اور سرخروئی حاصل ہو اور ناکامی کا منہ دیکھ کر سزا کا سزاوار نہ ہونا پڑے۔ اگر انسان قیامت کے دن پوچھے جانے والے ان پانچوں سوالوں کو سامنے رکھ کر زندگی گزارے تو اس کا انجام یقیناً اچھا ہوگا۔

پہلا سوال پوری زندگی کے بارے میں ہے کہ اپنے شب وروز کیسے گزارے۔ بچپن لڑکپن کیسے گزرا' شعور کی زندگی شروع ہوئی تو انسان کن مشاغل میں مصروف رہا۔ آیا گناہ کے کاموں میں لگا رہا یا اپنے مقصدِ زندگی کو پا کر اپنے خالق اور مالک کی خوشنودی والے کام کرتا رہا۔ حقوق اللہ (عبادات) اور حقوق العباد کی ادائیگی کو پیشِ نظر رکھا یا اپنی خواہشاتِ نفسانی کو پورا کرنے میں ہی لگا رہا اور فسق وفجور میں زندگی گزار دی اور کبھی یہ نہ سوچا کہ ایک دن یہ زندگی ختم ہو جائے گی اور یہاں کیے گئے اعمال کے بارے میں مجھ سے باز پرس ہوگی۔

دوسرا سوال جوانی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کن مشاغل میں گزاری۔ اگرچہ جوانی بھی دنیوی زندگی ہی کا حصہ ہے' مگر اس کا سوال بھی خاص طور پر پوچھا جائے گا' کیونکہ یہ زندگی کا وہ دور ہوتا ہے جب انسان کی جسمانی قوت اپنے عروج پر ہوتی ہے۔ اسے دنیوی سہولتوں کی ضرورت ہوتی ہے جن کے حصول کے لیے اسے محنت اور کوشش کرنا ہوتی ہے۔ اگر اس نے جوانی بے فکری اور آزادی میں گزار دی' اپنی قوت وصلاحیت سے مثبت فائدہ نہ اٹھایا بلکہ من مانیاں کرتا رہا تو گویا اس نے اپنی جوانی کے قیمتی ایام ضائع کر دیے' حالانکہ یہ ایام تقویٰ اور خدا خوفی کے ساتھ نیکیاں کمانے اور برائیوں سے بچ کر گزارنے کے قابل تھے۔

تیسرا اور چوتھا سوال مال کے بارے میں ہے کہ کس طرح کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ روزی کمانے میں جِدّوجُہد ہر شخص کو کرنا ہوتی ہے' چنانچہ اس ضمن میں حدود وقیود کا تعین کر دیا گیا ہے۔ روزی حلال طریقوں سے حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے جبکہ حرام ذرائع اختیار کرنے سے روکا گیا ہے۔ جھوٹی قسمیں کھا کر اور جھوٹ بول کر کمایا ہوا مال حرام ہے۔ اسی طرح چوری' ڈاکہ' خیانت اور رشوت کے ذریعے حاصل کی ہوئی دولت مالِ حرام ہے۔ پھر سودی کاروبار کے ذریعے مال کمانا یا سودی کاروبار میں تعاون کر کے دولت حاصل کرنا' یہ بھی حرام ہے۔ ملازم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے اور طے شدہ شرائط کے مطابق اپنے فرائضِ منصبی ادا کرے۔ بصورتِ دیگر اس کی کمائی میں حرام شامل ہو جائے گا اور حرام کمائی کا اثر یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ اس پیسے کے ساتھ خریدے ہوئے کپڑے میں نماز جیسی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ اس ناجائز کمائی کے ساتھ حج نامقبول ہے۔ اسی طرح اگر حرام کمائی کے ساتھ سحری کا کھانا کھایا اور پھر حرام کے پیسوں سے خریدے ہوئے ماکولات اور مشروبات سے افطاری کی تو یہ روزہ نہ ہوا بلکہ خواہ مخواہ کی بھوک پیاس برداشت کی۔

مال کا معاملہ یہاں تک ہی نہیں بلکہ پوچھا جائے گا کہ جو مال کمایا کہاں خرچ کیا؟ جو مال جائز طریقے سے کمایا اور اللہ کی رضا والے کاموں میں خرچ کیا' اس کے تو کیا کہنے' یہ تو بڑی خوش نصیبی کی بات ہے۔ لیکن اگر جائز طریقے سے کمائے ہوئے مال کو کسی ناجائز اور حرام کام میں خرچ کیا تو اس کی بھی باز پرس ہوگی — حرام ذرائع سے کمایا ہوا مال تو اکثر ناجائز کاموں میں ہی خرچ ہوتا ہے جس کا وبالِ جان ہونا ظاہر ہو رہا ہے' لیکن حرام مال کی نحوست تو اس حد تک ہے کہ وہ نیکی کے کاموں میں خرچ کیا جائے تو اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ طیب ہے اور وہ طیب مال ہی قبول کرتا ہے۔ خبیث مال اس کے ہاں قبول نہیں ہوتا۔

جس طرح روزی کمانا مشکل کام ہے اسی طرح خرچ کرنا بھی آسان نہیں۔ رزقِ حلال کو بھی اگر خواہش نفس کے تحت ناجائز کاموں میں خرچ کیا تو بھی وہ وبالِ جان بنے گا اور اگر جائز کمائی کو نام و نمود کی خاطر بے جا خرچ کیا تو یہ اسراف اور تبذیر میں آئے گا' جبکہ فضول خرچی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے شیطان کے بھائی قرار دیا ہے: ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ﴾ (بنی اسراء یل: ۲۷) ''بے شک بلاضرورت حد سے زیادہ خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔'' معلوم ہوا کہ خرچ کرنے میں بھی انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے تاکہ انسان مال کے خرچ کرنے کے سوال میں گرفت سے بچ سکے۔

قیامت کے دن ہونے والا آخری سوال یہ ہوگا کہ حاصل کردہ علم پر عمل کس قدر کیا؟ دین کی سمجھ حاصل کرنا ہر شخص پر فرض ہے۔ حدیث میں ہے: ((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ)) یوں ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ وہ مقصدِ تخلیق کو پائے اور خالق کی پہچان کرے۔ بے علم رہنا خود گناہ ہے کہ ؏ ''بے علم نتواں خدا را شناخت'' (بے علم شخص اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچان سکتا) — لیکن جب ضروریاتِ دین کا علم حاصل ہو گیا تو اب ان پر عمل کا مرحلہ آتا ہے اور اس کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔ برائی اور بھلائی کی پہچان ہر شخص کی طبیعت میں ودیعت کر دی گئی ہے' از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝۸﴾ (الشمس) — مثال کے طور پر ہر شخص جانتا ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق ضرورت مند کی مدد کرنا چاہیے' بھلے کاموں میں دلچسپی لینا چاہیے اور برائی کے کاموں سے دور رہنا چاہیے۔ اسی طرح تمام حقوق العباد کی ادائیگی بھی ہونا چاہیے' اور حقوق اللہ کو فرض جانتے ہوئے نماز روزہ کی پابندی بھی ضروری ہے تاکہ اس آخری سوال کا جواب بھی بن پڑے' اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو قیامت کے دن پہلے ہی مرحلے پر ناکامی اور نامرادی کا منہ دیکھنا پڑے گا' جس کا نتیجہ اللہ کی ناراضگی ہوگا جسے عذاب کہتے ہیں۔ یوں اس حدیث مبارکہ میں زندگی گزارنے کا سلیقہ بھرپور اور جامع انداز میں بتا دیا گیا۔ ہر شخص کے لیے یہ حدیث پوری رہنمائی مہیا کر رہی ہے کہ انسان کو زندگی کس انداز میں گزارنی چاہیے۔

© rasailojaraid.com